

# تعارُف

فروری ۱۹۶۹ء میں مرزا غالب کی وفات پر ایک سو برس پورے ہو رہے ہیں۔ اس موقع کی مناسبت سے پنجاب یونیورسٹی نے شاعر کی عظمت کے اعتراف کے طور پر نہ صرف شعبہ اُردو میں ایک پروفیسر کی نئی اسمیٰ ”کُرسیِ غالب“ قائم کی ہے، بلکہ مجلس یادگارِ غالب کے تعاون سے ایک سلسلہ مطبوعات شائع کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

مجلس یادگارِ غالب کے قیام کی تحریک جنوری ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر آفتاب احمد خان نے کی۔ وہ مجلس کے پہلے مُعتد اور سید سجاد باقر ضوی شریکِ مُتعمد مقرر ہوئے۔ ڈاکٹر آفتاب احمد خان کے لاہور سے ڈھاکے منتقل ہو جانے پر ڈاکٹر عبدالحکیم کو احسن مجلس کے دوسرے مُتعمد قرار پائے۔ اواخر ۱۹۶۸ء میں جب ہمارا سلسلہ کُتب طباعت کے مرحلے میں داخل ہوا تو صدر مجلس کو ڈاکٹر محمد باقر کی مسلسل اعانت اور مشورہ بھی قدم قدم پر میسر رہا۔ جن ارباب فکر و نظر نے مجلس کی درخواست پر اس سلسلہ کُتب کی ترتیب، تالیف یا تصنیف میں حصہ لیا اُن میں سے ہر ایک کا نام متعلقہ کتاب کے سرورق کی زینت ہے۔ مجلس یادگارِ غالب کے ارکان کے ناموں کی پوری فہرست اس کتاب کے شروع میں الگ شائع کی جا رہی ہے۔



مجلس کے سلسلہ مطبوعات میں سب سے پہلے مرزا غالب کی تصانیف آتی ہیں جو اردو اور فارسی نظم و نثر پر مشتمل ہیں۔ یہ تصانیف نفس مضمون کی رعایت سے یا موزونی ضخامت کا لحاظ کر کے مختلف جلدوں میں تقسیم کر دی گئی ہیں۔ ان سب کتابوں پر موقوفین نے دیباچے لکھے ہیں اور حسب ضرورت حواشی کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیز جہاں تک ممکن ہو سکا دستیاب وسائل کی مدد سے ہر متن کی تصحیح کی ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ مرزا غالب کی تصانیف میں سے کوئی کتاب رہ نہ جائے۔ چنانچہ ان کی بعض نگارشات جو مرور زمانہ سے تقریباً ناپید ہو چکی تھیں، اب پھر اہل نظر کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہیں۔ دیوان غالب کا نسخہ حمید یہ، جسے صدر مجلس نے مرتب کیا ہے ایک پہلے فیصلے کے مطابق مجلس ترقی ادب، لاہور، کی طرف سے شائع ہو رہا ہے۔ غالب کی صرف یہی ایک کتاب مجلس یا دار غالب کی مطبوعات میں شامل نہیں۔

مرزا غالب کی تصانیف کے علاوہ مجلس کی مطبوعات میں وہ کتابیں بھی شامل ہیں جن میں اس یگانہ روزگار کے شخصی، فنی اور فکری کمال کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جو انگریزی داں لوگ اردو نہیں جانتے انھیں غالب کے فکرو فن سے متعارف کرنے کے لیے ایک مفصل کتاب انگریزی زبان میں شائع کی جا رہی ہے۔ ایک اور کتاب میں غالب پر شائع شدہ مواد کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ پھر اس سوال کا جواب کہ ”میں نے غالب سے کیا پایا“ ایک تیسری کتاب کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ اس میں متعدد غالب شناس حضرات کے ذاتی تاثرات جمع کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ایک اور مجموعے میں گزشتہ ایک سو برس کی تنقید غالب کا خاکہ اقتباسات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

یہ کتابیں فروری ۱۹۶۹ء میں شائع ہو رہی ہیں۔ گویا ان کی تاریخ اشاعت سے مرزا غالب

کی حیات بعدِ ممات کی دوسری صدی شروع ہوتی ہے۔ مجلس کو یقین ہے کہ اس دوسری صدی  
میں غالب کے قبولِ عام کی سرحدیں کچھ اور وسیع ہو جائیں گی۔ خدا کرے کہ دنیا کو ہندوستانی تمدن  
کے آخری ترجمان سے روشناس کرانے میں مجلس کی یہ سعی رائیگاں نہ جائے۔

حمید احمد خاں

صدرِ مجلس یادگارِ غالب

جامعہ پنجاب، لاہور

سینیٹ ہال

فروری ۱۹۶۹ء





## حرفِ آغاز

جامعہ پنجاب کی مجلس یادگارِ غالب نے فیصلہ کیا کہ غالب کے پہلے صد سالہ یومِ وفات کی تاریخی تقریب پر اُن کی سب اُردو فارسی تصانیف، اصل متن کی کامل تحقیق کے بعد، بحسنِ اہتمام شائع کی جائیں۔ اس موقع پر لازم ہوا کہ غالب کے اُردو دیوان کا وہ نسخہ بھی اصل متن اور اصل ترتیب کے مطابق از سرِ نو طبع ہو جس کو ہم غالب کا متداول اُردو دیوان کہتے ہیں۔ ایک ایسے صحیح نسخے کی طباعت کا میں بھی بڑا مُؤید تھا مگر میں سمجھتا تھا کہ یہ نسخہ ہاتھ ہلاتے بغیر مجھے مفت میں میسر آجائے گا۔

ایک دن میں ”مجلس یادگارِ غالب“ کے ایک اجلاس میں، بڑے مزے سے، بالکل بے خبر بیٹھا تھا کہ ناگہاں کسی نے اس کام کے سلسلے میں میرا نام لیا۔ یہ سن کر میں دفعۃً چونکا، ڈرا، گھبرایا، اور بھاگ نکلنے پر آمادہ ہوا، مگر اتنے میں دو تین معزز اراکینِ مجلس، یوں کہیے کہ میرا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ پھر خود صدرِ مجلس نے ایک بھرپور وار کیا: ”کیا آپ پر غالب کا کوئی احسان نہیں ہے؟ اب میں کیا جواب دیتا۔ ناچار سپردِال کر رہ گیا۔“

در اصل یہ تھا ہی بڑی جوکھول کا کام، اور کسی ہلچے مصروف شخص کے لیے یہ بڑی مشکل بات تھی کہ وہ اس مہم کے لیے وقت نکال سکتا؛ لیکن اب کیا کرتا، مجبوراً آہِ نیم شبی اور گریہِ سحری کا وقت دیوانِ غالب کے متن کی تحقیق و تدقیق و تدوین کی نذر کر دینا پڑا۔

اگر میں ان ابتدائی سطور ہی میں اپنے اُن احباب کا ذکر نہ کر دوں، جن کی مخلصانہ تائید و رفاقت نے میری بہت بڑھائی اور میں اس ذمہ داری سے عہدہ براہِ ہونے کے قابل ہو سکا، تو یہ بڑی احسان شناسی



ہوگی۔ سب سے پہلے مجھے اس عہد کے ایک بہت بڑے فاضل غالب شناس اور اپنے محبت علی قدر پروفیسر سید وزیر الحسن صاحب عابدی کا شکریہ ادا کرنا ہے جو مجلس یادگار غالب کے اجلاس سے فارغ ہوتے ہی، خود بہ اصرار مجھے کشاں کشاں اپنے دولت کدے پر لے گئے، جہاں انھوں نے اپنے بیش بہا خزینہ غالب سے نکال کر اتنے قدیم و جدید نسخے غالب کے اُردو دیوان کے، اور دیوان کی شرحوں کے، مجھ پر لا دئیے کہ میں جوش مسرت میں دیوانہ سا ہو گیا۔ اگر دیوان غالب کے یہ قدیم و جدید نسخے اور کلام غالب کی یہ رنگارنگ شرحیں ہاتھ نہ آتیں تو میرے لیے یہ کام انجام دینا ناممکن ہو جاتا۔ اس کے ساتھ ہی مولانا غلام رسول صاحب مہر کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جو اس طویل دور آزمائش میں برابر میری حوصلہ افزائی اور کام جاری رکھنے کی تائید فرماتے رہے؛ اور پھر ڈاکٹر عبد الشکور حسن معتد مجلس یادگار غالب کا شکریہ کس طرح ادا ہو جن کی محبت بھری یاد دہانیاں بڑی باقاعدگی سے تازیانہ استاد کا کام کرتی، اور مجھے غفلت کی نیند سے جگاتی رہیں۔

یہ کام شروع کرنے سے پہلے جتنا مشکل نظر آیا تھا، شروع کر دینے کے بعد اس سے دس گنا زیادہ مشکل اور دس گنے زیادہ وقت اور ذمہ داری کا متقاضی نظر آیا، کیونکہ قدیم و جدید متداول نسخے سب کے سب باہر گر بے محنت ثابت ہوئے اور ان میں اغلاط متن اور اختلاف ترتیب غزلیات و اشعار کی وہ ریل پیل نظر آئی کہ سرچکا گیا۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ سہوکتا بہت کے باعث کسی غزل کا کوئی ایسا شعر ہی ترک ہو گیا ہے جسے خود غالب نے ترک نہیں کیا تھا۔ اس کے برعکس بعض دیگر حضرات نے غزلوں میں اپنے پسندیدہ، مگر غالب کے ترک کردہ، اشعار کا اضافہ کر لیا ہے۔ ایسے نسخے بھی ملے جن کے مرتبین نے غالب کے اشعار کو سہواً اپنی پسند کے مطابق، ارادۂ بدل دیا ہے۔ اس سے پہلے سرسری طور پر غزلیں پڑھتے ہوئے یہ باتیں کبھی ذہن میں نہ آتی تھیں۔ اب عموماً ایک ایک مختلف فیہ شعر اور ایک ایک مختلف فیہ لفظ کی صحت کا فیصلہ کرنے کے لیے، بہ نظر احتیاط، دس دس پندرہ پندرہ قدیم و جدید نسخوں کا مقابلہ کرنا، اور بسا اوقات



شروح اور لغت کی مستند کتابوں کا سہارا بھی ڈھونڈنا پڑا۔ یہ کام بڑی احتیاط سے کیا گیا ہے اور قارئین کو اس کی دقت اور وسعت کا کسی قدر اندازہ متن کے ذیلی حواشی پڑھ کر ہوگا جنہیں تعداد میں حتی الامکان کم سے کم، اور یوں بھی مختصر سے مختصر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ طویل کلام سے اجتناب یہاں بھی لازم ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ جون ۱۹۶۲ء کے مطبوعہ جس نسخہ مطبع نظامی کو اس نسخے کی بنیاد بنایا گیا ہے، کیونکہ اسے خود غالب نے ترتیب دے کر شائع کرایا تھا، وہ بھی بعض صریح اغلاط کتابت سے محفوظ نہیں رہا تھا کسی اور نسخے کا تو کیا ذکر ہو۔

پیش نظر نسخے کی امتیازی خصوصیت صحت متن، صحت ترتیب اور حسن کتابت و طباعت ہے۔ دیوان غالب کے متن اور ترتیب کی تحقیق کی ضرورت اور اہمیت کا پورا اندازہ خود راقم کو بھی یہ کام ہاتھ میں لینے کے بعد ہوا، مگر یہ کہ دنیا مناسب ہے کہ اس نسخے کو بھی، باایں ہمہ کاوش و کاوش، "حرف آخر" سمجھ لینا بہت بڑا ادعا ہوگا، کیونکہ اس کام کے لیے راقم کے وسائل سے بہت زیادہ وسائل، اور راقم کے اوقات فرصت سے بہت زیادہ اوقات فرصت درکار تھے۔ غالب کے احسان کا حق ادا کرنے کے لیے راقم الحروف نے ہر چند جان ماری اور دل توڑ کر کام کیا مگر حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا

البتہ یہ دعویٰ شاید بے جا نہ ہو کہ یہ نسخہ کسی آئندہ محقق متن دیوان غالب کے لیے ذوق و شوق کا ایک نیا باب ضرور کھول دے گا۔

غالب کا اردو دیوان کئی صورتوں میں دستیاب ہو رہا ہے۔ لا تعداد اصحاب کے شائع کردہ "متمم اول نسخوں کے علاوہ نسخہ عرشی بھی ہے اور نسخہ حمید یہ بھی، اور ان دونوں کی اپنی اپنی بے بدل خصوصیات ہیں۔ نیز بے شمار دیگر فاضل اصحاب کے مشرح نسخے بھی ہیں جن میں طباطبائی اور حسرت موہانی کی شرحیں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں۔ پھر غلام رسول مہر اور مالک رام کے گراں قدر نسخے ہیں، جو اپنے اپنے بصیرت افروز معلوماتی



اشارات کے لحاظ سے ہمیشہ تازہ تازہ رہیں گے۔ اسی طرح اس باب میں اور بہت سے کارنامے ہیں جن سے غالب کا کوئی پرستار ناواقف نہیں ہے۔

موجودہ نسخہ جو غالبیت کی وسیع دنیا میں بالکل تازہ وارد ہے، کسی پہلے نسخے کا بدل ہونے کا ہرگز مدعی نہیں ہو سکتا۔ اس کی اشاعت کا مقصد صرف یہ ہے کہ غالب کی رحلت کے سو سال بعد بھی غالب کے اُردو کلام کا ایک نسخہ، خود غالب ہی کی ترتیب غزلیات و اشعار کے مطابق، زیادہ سے زیادہ صحیح اور اصلی متن کے ساتھ، ایک ہلکے پھلکے خوشنما مجموعے کی شکل میں اہل نظر کو دستیاب ہو جائے۔ اس قسم کے مجبوسے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ یہ نسخہ اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کے حُسنِ کتابت اور آرائشِ اوراق کے لیے ہم پاکستان کے نامور خطاط حضرت نفیس رستم کے ممنون ہیں جن کی شبانہ روز محنت پر اس نسخے کا حرفِ شہادہ ہے۔ آرائشی بیل بوٹے انھیں مُصورِ پاکستان حضرت پختانی کی عنایت سے حاصل ہوئے ہیں، جن کا شکریہ واجب ہے۔

آخر میں قارئین کے اطمینانِ قلب کے لیے یہ بتادینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ راقم الحروف نے کتابت کی تصحیح کی غرض سے ان صفحات کو طباعت سے قبل اتنی مرتبہ پڑھا ہے کہ اس بزرگوار میں شاید کبھی کسی نسخے کی کتابت اس قدر بار بار اور لگاتار نہیں پڑھی گئی ہوگی۔ اس دوران میں اپنے زمانہ قیامِ دہلی کی ایک غزل کا یہ شعر بار بار یاد آیا:

حامد کلامِ حضرت غالب کا ورد ہو

فرصت کشاکشِ غمِ پنہاں سے گرے

کشاکشِ غمِ پنہاں سے تو فرصت نہ ملی مگر اس نسخے کی کتابت پڑھنے میں کلامِ حضرت غالب کا وردِ یقیناً بیسیوں مرتبہ ہو گیا۔ چنانچہ جو شخص مسودے اور کتابت کے مقابلے میں شریک رہا، وہ اب دیوانِ غالب کا حافظ ہے! اگر غالب کا کلام صحت کے ساتھ پڑھنے کے باب میں یہ نسخہ نئی پود کی کچھ بھی مدد کر سکا تو اس کی اشاعت کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

حامد علی خاں

۶۱۹۶۹







## دیباچہ

مقام شمیم آشنایان را صلا و نہاد انجمن نشینان را مژدہ کہ لختے از سامان مجمرہ گردانی آمادہ و دامن  
از خود ہندی دست بہم دادہ است، نہ چوبہای سنگ و ب خوردہ بہ ہنجار نا طبعی شکستہ بے اندام تراشیدہ  
بلکہ بہ تبر شکافتہ بہ کار در زیر کردہ بہ سومان خراشیدہ۔

ایدون نفس گدختگی شوق بہ جتوی آتش پاری است، نہ آتشے کہ در کلخنہای ہند فزودہ خاموش  
وازلت خاک تر بہ مرگ خوش سیر پوش بینی، چہ بر فٹے کلم است از ناپاکی بہ اتخوان مردہ ناہار شکن و از دیوانگی  
بہ رشتہ شمع فراگشتہ آویختن۔ ہر آئینہ بہ دل گدختن نیرزد و بزم افروختن را نشاید۔

رخ آتش بہ صنم برافروزدہ و آتش پرست را بہ باد فراہ ہم در آتش سوزندہ نیک میداند کہ پروہندہ  
در ہوا ہی آن رخشندہ آذر فعل در آتش است کہ بہ چشم روشنی ہوشنگ از سنگ برون تافتہ و در ایوان لہر اسپ  
نشو و نمایافتہ جس را فروخت و لالہ را رنگ و مرغ را چشم و کدہ را چراغ۔

بخندہ زردان درون بہ سخن برافروز را سپاسم کہ شاعرے از آن آتش تابناک بہ خاک تر خویش فیتہ  
بہ کاو کاو سینہ ستافتہ ام و از نفس دمہ بر آن نہادہ۔ بُو کہ در اندک مایہ روزگار آن مایہ فراہم تواند آمد کہ  
مجمرہ را فرو روشنائی چراغ و رایحہ عود را بال شناسائی دماغ تواند بخشید۔

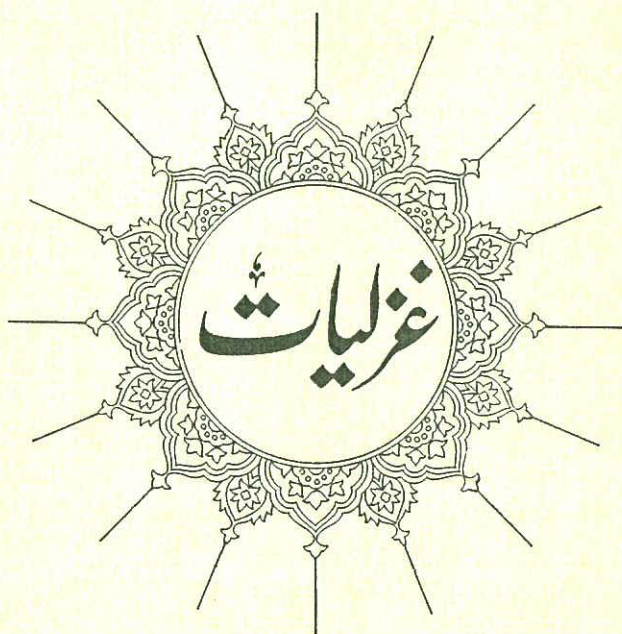
ہمانا نگارندہ این نامہ را آن در سر است کہ پس از انتخاب دیوان ریختہ بہ گرد آوردن سرنہ دیوان پاری  
برخیزد و بہ استفاضہ کمال این فریور فن پس زانوی خوش تن نشیند امید کہ سخن سمر ایان سخنور ستای پراگندہ ایستے را  
کہ خارج ازین اوراق یابند از آثار تراوش رگ کلاب این نامہ سیاہ نشناسند و چامہ گرد آور را در  
ستایش و بگویش آن اشعار ممنون و مانخو نسگالند۔

یارب این بوی مہی ناشنیۃ از نیستی بہ پیدائی نار سیدہ یعنی نقش بنمیر آمدہ نقاش کہ بہ اسد اللہ خان  
موسوم و بہ میرزا نوشہ معروف و بہ غالب متخلص است، چنانکہ اکبر آبادی مولود دہلوی مسکن است، فرجام کار  
بخفی مدفن نیز باد، فقط۔

( بست و چہارم شہر ذیقعدہ سنہ ۱۲۴۸ھ )

لے متداول سخن میں بیان لفظ "ژوپ" چھپا ہے جسکی لغات میں نہیں بلکہ پروفیسر غامدی کا خیال ہے کہ غالب نے لفظ "سنگ ژوپ" کے بجائے "سنگ ژوپ" لکھا ہوگا۔







## ۵۱۵

نقش و نریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا؛  
 کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا  
 کاؤ کاوِ سخت جا نہیائے تنہائی، نہ پوچھ  
 صبح کرنا شام کا، لانا ہے جوئے شیر کا  
 جذبہ بے اختیار شوق دیکھا چاہیے  
 سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا  
 آگئی دامن شنیدن جس قدر چاہے بچاے  
 مدعا عنفتا ہے اپنے عالمِ تقریر کا  
 بسکہ ہوں غالبِ اسیری میں بھی آتش زیر پا  
 موئے آتش دیدہ ہے حلفتِ مری زنجیر کا



چراحت شُحفہ، الماس ارمغان، داغِ چکد ہدیہ  
 مبارک باد اسد، غمخوارِ جانِ دردمند آیا



لے اکثر مروجہ نسخوں میں "کاؤ کاؤ" درج ہے اور لوگ بے خیالی میں اسی طرح پڑھتے ہیں۔ بعض حضرات نے "کاؤ کاؤ" بھی لکھا ہے جس کا یہاں کوئی عمل نہیں۔ کاؤ = کاوش۔ علی العموم "کاؤ کاؤ" بہت بجا استعمال ہے۔ اس مصرع میں "کاؤ کاؤ" پڑھنا چاہیے۔